تحصیل: ادارہ معارفِ اسلامی کراچی۔ جلد: ا، شمارہ: ۳ جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۸ء

سید حسن شاہ ضبطؔ

سلطانہ بخش*

سید محمد حسن شاہ ضبطؔ صوفیائے عظام و مشائخ کبار کے ایک نام ور خانوادے کے فرزند تھے۔ سید حسن شاہ کے آباؤ اجداد کا سلسلہ نسب صوفیائے کرام کی برگزیدہ شخصیت سید عبداللہ ملقب بہ مظلوم سے، جن کا سلسلہ گیارہ واسطوں سے حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام سبط رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ سید عبداللہ مظلوم اپنے والد حضرت ابراہیم رضا کے سامنے خلفائے بنو عباس کے جور و جفا سے حدود بلخ میں مخفی سکونت پذیر تھے۔ شدت ظلم اعدا کی وجہ سے مع تبرکات شریفہ نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے بعد شہادت والد بزرگوار مع چند ہمراہیاں حدود ترکستان پہنچے اور اقامت اختیار کی[۱]۔ محسن علی محسن کا بیان ہے کہ ''اجداد کرام نے خوست میں کہ نوابع بلاد غور ہے عربستان سے آ کر توطن اختیار کیا''[۲] لیکن سید محمد حسن شاہ ضبط کا بیان جو انھوں نے اپنی نثری داستان کے آغاز میں لکھا زیادہ واضح اور درست ہے کہ سید عبداللہ مظلومؔ کی اولاد سے جناب سید السادات قطب انام حضرت سید امیر کلال عرف امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ کا شہرہ عام ہوا۔ حتیٰ کہ صاحب قراں امیر تیمور گورگانی کو آپ نے اپنا پسر خواندہ فرمایا اور بشارت سلطنت ہفت کشور کی دی جس کا حال آپ کے ملفوظات میں درج ہے اور اس پیش گوئی کا ظہور خاندان تیموریہ میں صدہا برس تک رہا۔ بعد انتقال سید السادات کے آپ کے صاحب زادے امیر برہان بہ امیر بزرگ حسب استدعائے صاحب قراں چندے اس کے پاس رہ کر وطن تشریف لے گئے۔ ان کے صاحب زادے امیر شاہ نے اپنی جاگیر عطیہ صاحب قراں قصبہ شریعت آباد حدود خوست من مضافات بدخشاں میں اقامت اختیار کی اور حسب روایت ارشاد و اہتداء خلائق میں مصروف رہے۔ تا آں کہ نوبت سجادگی حضرت حاجی الحرمین سید میرک شاہ رحمتہ اللہ علیہ کاتب حروف کو پہنچے اور بموجب بشارت ارواح طیبات بزرگان مع چند تبرکات شریفہ عازم لاہور ہوئے۔ سنہ ۱۱۲۵ھ میں بیس قرابت داروں کے ساتھ داخل کابل ہوئے[۳] صوبے دار کابل کی استدعا سے چند مہینے اقامت کر کے بہ قصد شاہ جہاں آباد وارد لاہور ہوئے۔ شاہ جہاں آباد کا قصد ملتوی کیا۔ صرف ایک ہمراہی مسمّی سید گدا شاہ کو فرخ سیر بادشاہ ہندوستان کے پاس روانہ کیا مگر سادات بارہہ کے تسلط اور غلبے کی وجہ سے بادشاہ وقت سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی اور وہ واپس لوٹ آیا۔۔۔ فرخ سیر نے عذر خواہی کے ساتھ نذر و نیاز کا اپنے خاص خواص کے ساتھ جناب حاجی صاحب کی خدمت میں بھیجا اور متمنی تشریف آوری حضرت موصوف ہوا، آپ نے قبول نہ کیا اور ہمیشہ

* سابق پروفیسر، شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد، مقیم اسلام آباد

اطراف لاہور اور سرہند میں بسر فرمائی اور ایک عالم کو رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا[۴]۔

درج بالا بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد حسن شاہ کے دادا سید میرک شاہ نے ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء میں خوست سے سفر اختیار کیا اور وہ بہ عہد فرخ سیر براہ کابل وارد لاہور ہوئے اور وہ ہمیشہ اطراف لاہور اور سرہند میں رہے۔ حاجی سید میرک شاہ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں سید محمد شاہ، سید اشرف شاہ، سید عرب شاہ (سید حسن شاہ کے والد) اور سید محمد شیر شاہ تھے۔ سید عرب شاہ سکھوں کی زبردستیوں سے تنگ ہو کر آنولہ بریلی آ گئے۔ حکیم میر محمد نواز (جو سید عطا موسوی کی اولاد سے تھے اور یگانہ وقت طبیب تھے)، اس وقت نواب عنایت اللہ خان پسر حافظ الملک حافظ رحمت خان کی سرکار میں ملازم باامتیاز تھے اور شہر بریلی میں اقامت گزیں تھے۔ سید عرب شاہ نے حکیم میر محمد نواز کی دختر سے عقد کیا۔ چناں چہ ۱۱۸۴ھ مطابق ۷۱-۱۷۷۰ء میں ان کے بڑے لڑکے حسن شاہ ضبط کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد دو اور لڑکے حسین شاہ اور قاسم شاہ اس شہر میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۱۹۱ھ میں سید عرب شاہ کا انتقال ہو گیا[۵]۔ والد کے انتقال کے بعد سید حسن شاہ اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں سید حسین شاہ اور قاسم شاہ کے ساتھ اپنے نانا کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت اسی شہر بریلی میں حاصل کی اور جو پڑھا لکھا نانا کی شفقت کا نتیجہ تھا۔

سید حسن شاہ کے والد سید عرب شاہ کی وفات کے چند سال بعد، ان کے نانا حکیم میر محمد نواز نے بریلی سے سفر کیا اور ایک انگریز مسٹر منگ، ممبر کونسل کان پور کی سرکار میں عہدہ منشی گیری پر فائز ہو کر کان پور چلے گئے۔ اس طرح یہ پورا خاندان آنولہ بریلی سے کان پور منتقل ہو گیا۔ حکیم میر محمد نواز کی سفارش پر منگ صاحب نے اپنے نجی کاروبار کے حساب کتاب اور انتظام و انصرام کے لیے سید حسن شاہ کو ملازم رکھ لیا۔ سید حسن شاہ لکھتے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر پندرہ سولہ برس تھی[۶] یوں وہ منگ صاحب کے وابستگان دولت میں شامل ہو گئے۔ حکیم میر محمد نواز نے فکر معاش سے آزاد ہونے کے بعد بریلی سے اپنے متعلقین کو بھی کان پور بلوا کے قصبہ جاج مئو میں جو کان پور سے دو کوس پورب کی طرف ہے، سکونت کر لی تھی اور چوں کہ کوئی تعلق خدمت کا باقی نہ رہا تھا اکثر خانہ نشین رہتے تھے۔ سید حسن شاہ اپنے چھوٹے بھائی سید حسین شاہ اور چچا زاد بھائی میر یوسف شاہ مع قرابت داروں کے کیمپ میں رہتے رہے[۷] یہ ۱۱۹۹ھ مطابق ۸۵-۱۷۸۴ء یا اس سے لگ بھگ کا واقعہ ہے۔

اسی زمانے میں کیمپ کا بخشی[۸] خود مصنف کے الفاظ میں ''کلن صاحب نامی ایک نہایت عیاش مزاج انگریز تھا۔ چناں چہ دو طائفے کشمیری اس کی سرکار میں ملازم تھے۔ حسن شاہ ان دنوں منشی روشن علی کے مکان سے اس کے بنگلے کے برابر سے آتے جاتے تھے''[۹] اتفاق سے حسن شاہ کا ان کشمیری طائفوں کے ہاں آنا جانا شروع ہو گیا اور وہیں ان کی ملاقات ایک کم سن خوب رو نازنین سے ہو گئی۔ جس کا نام وہ خانم بتاتے ہیں۔ یہیں سے حسن شاہ کی داستان محبت شروع ہوتی ہے۔ حسن شاہ کو خانم کی بیماری اور لکھنو جانے کے بارے میں اطلاع ملنے پر اپنے نانا کو لکھنو کے سفر پر آمادہ کیا اور لکھنو پہنچ کر جب انھیں خانم کی وفات کے بارے میں معلوم ہوا تو بڑے دل برداشتہ ہوئے۔ وہاں ضروری اقدامات سے فارغ ہو کر واپس کانپور اپنی ملازمت پر گئے[۱۰] لیکن کتنا عرصہ کان پور میں قیام پذیر رہے معلوم نہ ہو سکا۔ بعد ازاں سید حسن شاہ

ضبط اپنے چھوٹے بھائی میر حسین شاہ حقیقت کے ساتھ حکیم میر محمد نواز کی ہمراہی میں لکھنو پہنچتے ہیں۔

سید حسن شاہ ضبطؔ کا لکھنو پہنچ کر کہاں، اور کتنا عرصہ مقیم رہے، اس حوالے سے مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں۔تاہم مرتب ''نشتر'' کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ سید حسن شاہ ضبط کی زندگی کے المیہ واقعے کے بعد وہ مدت تک بہ قید حیات رہے۔شادی بھی کی اور اولاد بھی ہوئی جواب تک لکھنو میں موجود ہے" لیکن لکھنو میں زندگی کس نہج پر اور کہاں بسر کی، اور بسر اوقات کا ذریعہ کیا تھا۔بعض سوالات کے جواب کے لیے صرف قیاس کا سہارا رہ جاتا ہے۔

سید حسن شاہ ضبطؔ کے خاندان کے دیگر افراد میں ان کے چھوٹے بھائی میر حسین شاہ حقیقت، بھتیجے محسن علی محسن اور ان کی اولاد شامل ہیں۔جیسا کے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سید حسن شاہ ضبطؔ کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی میر حسین شاہ حقیقت بھی نوعمری میں، اپنے نانا کے ہمراہ لکھنو پہنچے۔وہاں میر حسین شاہ حقیقت نے شاعری میں شیخ قلندر بخش جراتؔ کا تلمذ اختیار کیا۔شاید جراتؔ سے تلمذ کا باعث یہ امر تھا کہ ان کے بڑے بھائی سید حسن شاہ ضبط بھی جراتؔ کی شاگردی کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ابتدا میں میر حسین شاہ حقیقت اپنے استاد جراتؔ کی غزلوں کی کتابت کیا کرتے تھے جو بوجہ کور چشمی لکھنے پڑھنے سے معذور تھے۔جب حقیقت جوان ہوئے تو اپنے معاشی ضرورت کے لیے پہلے ترک سواروں میں ملازم ہوئے اور بعد ازاں امام بخش کشمیری کے ہاں منشی گیری اور ان کے بچوں کی معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔لیکن مصحفی کے الزام سرقہ سے نہایت کشیدہ خاطر ہوئے اور امام بخش کشمیری کی ملازمت چھوڑ دی[۱۲]۔حقیقت کو لکھنو میں مالی فراغت میسر نہیں ہوئی تو انھوں نے لکھنو کو خیر باد کہا اور کلکتہ چلے گئے۔جہاں وہ ریزیڈنٹ کے دفتر میں اول منشی مقرر ہوئے۔کلکتہ میں حقیقت نے اپنا علمی و ادبی سفر جاری رکھا۔حقیقت کثیر التصانیف مصنف اور صاحب دیوان شاعر تھے۔انھیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ان کی تصانیف فارسی اور دوز بانوں میں ملتی ہیں۔کلکتہ میں قیام سے پیش تر ان کی دو تصانیف صنم کدہ چین (فارسی)۱۲۰۹ھ مطابق ۹۵۔۱۷۹۴ء اور جذب عشق (اردو نثر) ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء وجود میں آ چکی تھیں[۱۳]حقیقت تقریباً بارہ تیرہ برس کلکتہ میں رہے۔اس دوران ان کی مزید دو اور تصانیف تحفتہ العجم (فارسی) ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء اور خزینتہ الامثال ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں وجود میں آئیں[۱۴]۔اسی عرصے میں حقیقت نے شارل پیرون (Charles Perron) کی فرمائش پر امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت کو اردو کا جامہ پہنایا تھا۔(پیرون سندھیا کی ملازمت میں تھا اور جنرل پیرون کے نام سے مشہور تھا)۔۱۸۰۰ء مطابق ۱۲۱۵ھ میں ترجمہ کیا گیا تھا[۱۵]۔گمان ہے کہ اسی سال حقیقت نے انگریز مستشرق ہنری تھامس کالبروک کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔یہ قصیدہ ایک قلمی نسخے دیوان میر سوز کے آخر میں درج ہے۔اس نسخے کی کتابت کا سنہ ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء ہے[۱۶]۔خیال ہے کہ حقیقت نے یہ قصیدہ سنہ ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ع سے پہلے لکھا ہوگا۔

کلکتہ میں ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد حقیقت کے مالی حالات دگرگوں رہے جس نے انھیں پریشان رکھا اور اسی پریشانی میں کلکتہ سے رخت سفر باندھا اور ۱۸۱۰ء میں کرناٹک چلے گئے اور وہاں ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں مثنوی

ہشت گلزار تحریر کی۔ اس مثنوی کے بارے میں حقیقت نے لکھا ہے کہ ان کے پیش نظر امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت تھی جس کا انھوں نے ترجمہ تو نہیں کیا مگر جدا طور پر نظم کیا[۱۷]۔ یہ مثنوی نواب کرناٹک عبدالقادر خان بہادر ثابت جنگ ابن نواب والا جاہ کا تقرب حاصل کر کے ان کی خدمت میں پیش کی گئی۔ نواب سے وابستگی نے حقیقت کی مالی پریشانیوں کو کم کیا تھا۔ حقیقت نے کرناٹک میں کتنا عرصہ قیام کیا معلوم نہ ہو سکا۔ حقیقت نواب کرناٹک عظیم الدولہ کی حکومت میں اور ان کی وفات کے بعد اعظم جاہ کے دور اقتدار ریاست کے دوران کرناٹک میں رہے۔ اعظم جاہ نواب کرناٹک کے انتقال کے بعد ان کا کم سن بیٹا غلام محمد غوث خان حکمران ہوا اور اپنے چچا کی معاونت سے تخت سنبھالا۔ کرناٹک میں حالات کی تبدیلی نے انھیں پھر سے کم معاشی سہولتوں کا احساس دلایا۔ زمانہ آخر میں قسمت نے یاوری کی اور وہ کرنل کڈ کی وساطت سے میر منشی کے عہدے پر فائز ہو کر مدراس چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد انھیں لکھنو کی یاد ستائی اور وہ آخری بار لکھنو گئے۔ وہاں ایک مثنوی ہیرا من طوطا لکھی۔ لکھنو میں دل نہ لگا واپس مدراس آ گئے۔ سنہ ۱۲۴۹ھ مطابق ۳۴-۱۸۳۳ء میں مدراس میں وفات پائی۔ ان کی خدمات جلیلہ کے عوض ان کی اولاد کو پنشن جاری رہی[۱۸]۔ حقیقت کی زندگی میں ان کی علمی وادبی قدردانی کا دائرہ لکھنو سے شروع ہو کر لکھنو ہی تک محدود رہا۔

محسن علی محسن، سید حسن شاہ ضبطؔ کے بھتیجے اور میر حسین شاہ حقیقت کے صاحب زادے تھے۔ لکھنو میں ان کا قیام رہا۔ یہ بات یقینی ہے کہ محسن کی ولادت لکھنو میں ہوئی اور لکھنو ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ لیکن ولادت کب ہوئی، وفات کب پائی اور گذر اوقات کا ذریعہ کیا تھا؟ گمان یہ ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے عشرہ اول میں محسن کی ولادت ہوئی اس زمانے میں میر حسین شاہ حقیت کا قیام لکھنو میں تھا۔ سوائے اس عرصے کے وہ بہ غرض تجارت کتب کان پور میں رہے۔ انھوں نے ساری عمر لکھنو ہی میں بسر کی۔

محسن بھی صاحب اولاد تھے۔ ان کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں سید محمد حسین، سید احمد حسین، سید علی حسین، خان بہادر سید جعفر حسین اور لڑکیوں میں سیدہ کنیز عائشہ اور سیدہ نذیرہ بیگم۔ خان بہادر سید جعفر حسین کے دو لڑکے، خان بہادر سید حامد حسین اور سید محمد رفیق حسین تھے۔ سید رفیق حسین، مکینیکل انجینئر تھے اور ان کی دل چسپی علم و ادب سے بھی تھی، ان کے افسانوں کا مجموعہ آئینہ حیرت ساقی بک ڈپو، دہلی سے شائع ہوا۔ یہی مجموعہ یونیسکو کی طرف سے اردو اکیڈمی سندھ، کراچی نے گوری ہو گوری کے نام سے شائع کیا۔ مشہور ناول و افسانہ نگار سیدہ الطاف فاطمہ، سید جعفر حسین کی نواسی ہیں[۱۹]۔

محسن علی محسن اچھے شاعر تھے لیکن ان کا دیوان نظر سے نہیں گزرا۔ ان کا کلام ان کے تذکرہ سراپا سخن میں شامل ہے۔ محسن نے اپنے ایک دوست، شیخ الٰہی بخش کی تحریک پر سراپا سخن کی تالیف کا کام شروع کیا۔ محسن نے پہلے خواجہ وزیر اور میر علی رشک سے کان پور میں تلمذ حاصل کیا[۲۰]۔ محسن نے اپنے تذکرہ سراپا سخن کے دیباچے میں تذکرے کی تالیف کا سبب بیان کیا کہ ''اگر تو (محسن) فرہاد آدا کمر دعی بر دامن ہمت کر چست باندھے اور اشعار شیریں شعرائے ماضی و حال جمع کر کے تذکرہ بطور سراپا لکھے تو غالب یہ ہے کہ نئے رنگ ڈھنگ کا تذکرہ نادر الوجود نایاب ہوگا''[۲۱] بہر کیف محسن نے اس تذکرے کی تیاری میں مواد کی فراہمی کی دشواریوں سے نبرد آزما رہے۔ دس برس بڑی جاں کاہی اور عرق ریزی کے بعد یہ تذکرہ سراپا سخن

۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں مکمل ہوا۔ اور پہلی بار ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا۲۲۔

سراپا سخن اپنی طرز کا ایک انوکھا تذکرہ ہے جس میں مختلف اعضائے جسمانی کے تحت سات سو سے زیادہ شعرا کا کلام جمع کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن میں اعضائے جسمانی کا ہر عضو، شاعر کے احوال و کلام پر مشتمل ہے۔ سراپا سخن میں ۳۳۷ شعرا کے احوال و کلام شامل ہیں۔ اس تذکرے کی افادیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ مولف نے اعضائے جسمانی کے موضوعات پر قدیم یا معاصر شعرا کے کلام و احوال کے لیے اکثر براہ راست شعرا سے رجوع کیا، بالخصوص انیسویں صدی کے شعرائے اردو کے بارے میں دو چار سطروں میں بھی جو کچھ لکھا وہ بیشتر ذاتی مشاہدے، مستند ماخذ یا ثقہ روایات پر مبنی ہے۔

محسن کی دوسری علمی تالیف تذکرہ شعرائے اردو، قیام الدین محمد قائم چاند پوری متوفی ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۲ء کے تذکرہ مخزن نکات کے پہلے دو طبقات کا اردو ترجمہ ہے۔ اس ترجمے پر مولانا امتیاز علی عرشی رقم راز ہیں: ''ترجمے کا اصل کتاب سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے لفظی ترجمے کی جگہ مولف کے مطلب کو اپنے الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش زیادہ کی ہے۔ نیز جگہ جگہ دوسری کتابوں سے نئے مطالب کا اضافہ بھی کیا ہے اور تذکرہ میر حسن اور تذکرہ احبا سے متعدد نئے شعرا کا حال بھی بڑھایا ہے علاوہ ازیں ترتیب میں بھی فرق کر دیا ہے؛ اول یہ کہ ہر طبقے کے شعرا کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کر دیا ہے، دوسرے بعض شاعروں کو مخزن نکات کے برخلاف دوسرے طبقے میں جگہ دی ہے۔ مثلاً کرم اللہ خان درد کا ذکر مخزن میں طبقہ سوم میں ہے، مگر مترجم نے انھیں طبقہ دوم میں جگہ دی ہے۔ رسوا، سلام، شاغل، شوق اور عزلت کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ''مترجم نے متعدد مقامات پر سابق تذکرہ نگاروں پر تنقید بھی کی ہے۔ مثلاً آبرو کے ذکر میں لکھا ہے کہ ''سعادت خان ناصر اپنے تذکرہ خوش مارکہ (معرکہ) زیبا میں لکھتے ہیں کہ چشم راست ان کے بسبب گل کے نور بصارت سے عاری تھی۔'' (ورق ۱۱۶ الف)

رہا یہ امر کہ زیر نظر نسخہ مترجم کے قلم کا ہے، تو مجھے اس میں شک ہے کیوں کہ اس میں املا کی جو فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں ان کے مرتکب سے مخزن نکات کے ترجمے کی امید نہیں کی جاسکتی۔۔۔ بنابریں میرا خیال ہے کہ یہ کسی کم سواد کاتب کے قلم کی نقل ہے۔ البتہ اس میں متعدد مقامات پر کسی دوسرے پختہ قلم سے اشعار اور عبارتیں بڑھائی گئی ہیں۔ اغلب ہے کہ یہ خود مترجم کا قلم ہو۔۔۔ کتاب میں مترجم کا نام نہیں ہے لیکن حاشیے میں مقام لکھنو لکھا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ لکھنو کا باشندہ تھا۔ نیز اس نے ورق ۹ پر تذکرہ احبا کا مصنف کو اپنا والد (میر حسین شاہ حقیقت) بتایا ہے اور ورق ۳۸ پر اپنے عمو صاحب (سید حسن شاہ ضبط) کا ذکر شعر فہم اور شعرا سے واقف شخص کی طرح کیا۔

مقالے کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''محسن کا پورا نام سید محسن علی محسن ولد مولوی سید حسین شاہ حقیقت بن عرب شاہ بن سید میرک شاہ لکھنوی ہے۔۔۔ یہ ان کی تالیف ہے۔ سال وفات معلوم نہیں''۲۳۔

محسن نے اپنے تذکرے میں اپنے تایا سید حسن شاہ ضبطؔ کا ذکر کیا ہے کہ ''جناب عموی صاحب مولف سید حسن شاہ ضبط،

خلف الرشید عرب شاہ۔مراۃ حیدری اور کئی رسالے منظوم رمل اور جعفر میں ان سے یادگار ہیں،شاگرد قلندر بخش جرات''۔[۲۴]

سید حسن شاہ ضبط اپنے بھائی میر حسین شاہ حقیقت اور نانا حکیم میر محمد نواز کے ہمراہ کان پور سے لکھنوآئے۔انھیں اپنے آبائی ورثے کی اعلیٰ علمی وتہذیبی اقدار کی فضیلت حاصل تھی۔جس نے ان کے علمی مذاق کونہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجے کا بنادیا تھا۔ سخن دانی وسخن فہمی کا ذوق بدرجہ اتم تھا۔(فارسی ان کی مادری زبان تھی تاہم اردو زبان سے وابستگی ان کے ادب پاروں میں نمایاں ہے)۔شعری ادب سے دل بستگی نے انھیں لکھنو کے ممتاز شاعر شیخ قلندر بخش جراتؔ کی شاگردگی کا شرف عطا کیا اور وہ اپنی ادبی صلاحیتوں سے لکھنو کی شعری محفل میں داخل ہوئے اور سراہے گئے۔ضبطؔ سید حسن شاہ کا تخلص تھا،وہ نوجوان تھے۔خوش رو و مہذب اور شایستہ شخصیت کے مالک تھے ہر ایک کا بجائے خود ان کی طرف میلان جاتا تھا۔طبیعت رسا پائی تھے،شاعری میں صاف اور سلیس زبان میں اظہار خیالات رواں ہوتے تھے۔مختلف تذکروں میں سید حسن شاہ ضبطؔ کا ذکر ملتا ہے۔گوکل پرشاد نے لکھا، ''ضبط،سید حسن شاہ لکھنوی،جراتؔ کے شاگرد ہیں''[۲۵] حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ قدرت نے لکھا''ضبط تخلص عزیزے است از دودمان طہارہ پناہ مسمّی بہ میر حسن شاہ از خوش فکران بلدۂ لکھنو وصاحب طرز آنجا ومرد صاف طبیعت وباحیا ست،ایں مطلع از وست:

دل وحشت میں کھو کر اک جنوں پیدا کیا　　ہم نے بازار محبت میں یہ کیا سودا کیا''[۲۶]

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے تحریر کیا''ضبط،تخلص،میر حسن شاہ،جز ایں کہ از لکھنو است،دیگر حالش معلوم فقیر نہ گشتی کہ بہ ضبط تحریر آرد''[۲۷] مفتی صدرالدین آزردہ نے''یہ شعر ان سے یادگار ہے:

نقد دل وحشت میں کھو کر اک جنوں پیدا کیا　　ہم نے بازار محبت میں یہ کیا سودا کیا''

تحریر کیا ہے[۲۸]۔

سید حسن شاہ ضبطؔ کے کلام کا مجموعہ یا دیوان نظر سے نہیں گذرا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اگر کہیں محفوظ ہے تو کہاں؟ لیکن ان کے دستیاب کچھ شعر فارسی اور اردو کے بطور نمونہ پیش ہیں:

وہ نادان انجان بھولے ہیں ایسے　　کہ سب شیوۂ دشمنی جانتے ہیں　(ص ۴۰)

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے　　مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

ستارہ ہے ایک ایک جلاد جس کا　　ہم اس آسماں کے ستائے ہوئے ہیں　(ص ۷۹)

جگر کی یا دل حسرت نشاں کی　　دکھائیں ہم تمھیں چوٹیں کہاں کی (ص ۸۲)

کہاں سوز الفت میں قدر آنسوؤں کی　　یہ موتی ہیں لیکن جلائے ہوئے ہیں (ص ۱۲۲)

اک ذراسی بات پر یہ خفگیاں　　وہ ہنسی ہونٹوں پہ آئی دیکھیے　(ص ۱۲۳)

زمانے میں ہیں یادگار زمانہ　　وفائیں ہماری جفائیں تمھاری　(ص ۱۲۵)

مصنف کے فارسی اشعار:۔

نشتر چہ زنی رگ جنوں را　　آگاہ نہ تب دروں را　(ص ۴۲)

ما براں مقصد عالی نتوانیم رسید ہاں مگر پیش نہد لطف شما گامے چند (ص ۷۱)

دردم از یارست ودرماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم (ص ۸۴)

اس کے علاوہ حافظ شیرازی کی بے شمار غزلیں، قطعے اور سینکڑوں فرد ہیں جنھیں عبارت کی مناسبت کے اعتبار سے موزوں موقع ومحل کے مطابق حسن شاہ ضبطؔ نے اپنی فارسی تصنیف نشتر (ناول) میں استعمال کیے ہیں۔مندرجہ بالا اشعار ان کے ناول نشتر سے لیے گئے ہیں۔

سید حسن شاہ ضبط کا فارسی ناول نشتر جس کا قصہ ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء میں لکھا گیا۔اس کے قلمی نسخے کا اردو میں ترجمہ محمد سجاد حسین (انجم) کسمنڈوی نے ۱۳۱۱ھ (۹ اردی بہشت ۱۳۰۳ ف) مطابق ۱۷۹۰ء میں کیا[۲۹]۔اس کتاب کے تین مختلف ایڈیشن تھے۔ پہلا ایڈیشن ترجمے کے فوراً بعد ۱۸۰۴ء میں شائع ہوا۔دوسرا ایڈیشن چند سال بعد آگرے سے چھپا۔ اور تیسرا ایڈیشن برسوں بعد دہلی سے طبع ہوا۔جناب عشرت رحمانی نے ان تینوں ایڈیشنوں کی اغلاط اور ترتیب میں بعد تقابل و مناسب تصحیح کے مرتب کیا[۳۰]۔اور یہ کتاب بہ عنوان نشتر (ناول) مجلس ترقی ادب، لاہور سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔

ناول نشتر کا پلاٹ سچے واقعات پر مبنی ہے جو ۱۱۹۹ھ مطابق ۸۴-۱۷۸۵ء کے دوران میں خود مصنف پر گزرے اور انھوں نے اپنی زبان (اس عہد کی سادہ مروجہ فارسی) میں آپ بیتی کے طور پر، اس واقعے کے تقریباً چھ سال بعد قلم بند کیے۔اصل کتاب فارسی کی طبع نہ ہو سکی مگر اس کا ایک قلمی نسخہ منشی سجاد حسین کسمنڈوی مرحوم کو ۱۸۹۴ء میں دستیاب ہوا اور انھوں نے سلیس اور عام فہم اردو زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا۔

اس ناول کے آغاز میں مصنف نے جو عبارت لکھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے، ''بعد حمد و نعت چند سطریں اپنے تعلق طبیعت اور سرگزشت زمانہ شباب کی مفصلاً لکھتا ہوں، کیوں کہ ایک جادو نگاہ صنم زاہد فریب کی محبت نے سرشار اور لایعقل کر رکھا تھا:

شیریں تر از حکایت ما نیست قصہ تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم

ناظرین سے امید ہے کہ اس سچے قصے سے محظوظ ہوں تو راقم حروف عاصی، المحتاج الی اللہ سید محمد حسن شاہ عفی اللہ عنہ کے حسن خاتمہ اور مغفرت کی دعا فرمائیں اور سہو وخطا پر پردہ ڈالیں''[۳۱] اس کے بعد مصنف کے خاندانی حالات خود ان کی زبانی درج ہیں۔

اس ناول میں جو قصہ پیش کیا گیا ہے وہ مصنف کے ذاتی المیے کے سچے واقعات پر مبنی کہانی ہے۔اس قصے کا زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر کا ہے جب بزم تیموری کی آخری شمعیں جھلملا رہی تھیں۔ملک بظاہر کئی فتنہ پردازیوں کے سبب خانہ جنگیوں سے دو چار تھا۔انگریز جو پہلے تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے، حکومت کے خواب دیکھتے دیکھتے حاکمانہ اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ برطانوی افواج ملک کے مختلف علاقوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ان میں دیسی سپاہی بھی بھرتی کیے جانے لگے تھے، مگر چھوٹے بڑے افسر انگریز ہی تھے،۔

انگریز حکمرانوں اور افسروں نے مصلحت وقت کے تحت پہلے تو ضروری سمجھا کہ مشرقیت اور زمانے کے انداز اختیار کریں، چناں چہ ہندوستانی لباس اور طرز معاشرت اختیار کرنے کے علاوہ اس وقت کی زبان فارسی اور اردو سیکھ لی جائے۔اس مقصد

کے لیے عالم فاضل اشخاص کی خدمات حاصل کی جانے لگی جنھیں منشی گری کے نام سے عہدے تفویض کیے جانے لگے تھے۔

اس ناول کے قصے کا لب لباب (حقیقی واقعات) یہ ہے کہ (ہیرو) سید حسن شاہ کے نانا حکیم میر محمد نواز مسٹر منگ ممبر کونسل کیمپ کان پور کی سرکار میں منشی گری کے عہدے پر مامور تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اردو اور فارسی پڑھاتے تھے۔ مسٹر منگ کے اپنے خانگی کاروبار اور حساب کتاب کے اہتمام و انصرام کے لیے کسی ذمے دار شخص کی ضرورت ہوئی تو اپنے نانا کی سفارش پر سید حسن شاہ کو ملازم رکھ لیا گیا۔ اس کیمپ کا بخشی ایک عیاش مزاج انگریز تھا۔ چناں چہ دو طائفے کشمیری اس کی سرکار میں ملازم تھے۔ اتفاق سے حسن شاہ کا ان کشمیری طائفوں کے ہاں آنا جانا شروع ہوا اور وہیں ان کی ملاقات ایک کم سن، خوب رو نازنین سے ہوگئی۔ جس کا نام خانم تھا۔ یہیں سے ان کی داستان محبت کا آغاز ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان نامہ و پیام اور راز و نیاز ہوتے رہے اور آخر کار حسن شاہ خفیہ خفیہ خانم سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ طائفہ مع خانم کے الہ آباد چلا جاتا ہے۔ حسن شاہ اور خانم کی ملاقات نہیں ہوسکی، خانم اسی غم میں گھل گھل کر مر جاتی ہے۔ حسن شاہ کو لکھنو پہنچ کر تمام واقعات کا علم ہوتا ہے۔ وہیں لکھنو میں خانم نے وفات پائی تھی۔

اس ناول کی سب سے بڑی خوبی بیان کی سادگی اور صداقت جو نہایت خلوص و دیانت سے آشکار نظر آتی ہے۔ صاحب داستان نے آپ بیتی من و عن بیان کر دی ہے۔ اس میں ان کی شخصیت و کردار کا خلوص جگہ جگہ نمایاں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نہایت شریف النفس، سادہ مزاج اور نیک دل نوجوان ہیں اور اپنی فطری صداقت شعاری سے کچھ بھی نہ چھپا پائے۔ یہ دراصل سید حسن شاہ ضبطؔ کا اپنا کردار ہے جو قصے کے آئینے میں نمایاں ہوتا ہے۔

اگر چہ تکنیکی اعتبار سے یہ قصہ ناول کی فنی ضروریات و روایات کو پورا نہیں کرتا۔ کیوں کہ پلاٹ میں جھول اور ترتیب واقعات میں تناسب کا فقدان ہے۔ اصطلاحاً اس تالیف کو ناول نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن چوں کہ اس تالیف کا پلاٹ سچے واقعات پر مبنی معلوم ہوتا ہے، قاری تکنیک کی خامیوں کے باوجود بیان میں سوز و گداز اور خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر آصف فرخی نے اپنے مقالے حیرتی ہے یہ آئینہ میں ناول اور افسانوں کی روایت کے مفروضوں پر بصیرت افروز محاکمہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ نشتر کا المیہ عشق زہر عشق کی یاد دلاتا ہے۔ شدت غم کے باوجود اس میں مجبوری و بیچارگی کا احساس موجود ہے۔۔۔ یہ ناول سیدھے سبھاؤ اپنے الم ناک انجام کی طرف آگے بڑھتا ہے جو روکے نہیں رک سکتا۔۔ نیز قرۃ العین حیدر کا بیان کہ ''عام طور پر سمجھا جاتا رہا ہے کہ ناول لکھنے کی ابتدا وکٹورین دور کے ہندوستان میں ہوئی اور یہ صنف انگلستان سے برآمد کی گئی تھی۔ مگر نشتر جسے کانپور کے ایک نوجوان حسن شاہ نے ۱۷۹۰ء کے لگ بھگ لکھا اور اس حساب سے وہ پہلا معلوم جدید ہندوستانی ناول ہے'' اس بیان کو اس لیے قابل غور کہا گیا ہے کہ یہ ناول کی روایت کے بارے میں بعض مفروضوں کو مسترد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس کتاب (نشتر) کو انیسویں صدی کے اواخر کے افسانوی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہے تاہم اس کتاب کے توسط سے ناول کی روایت کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی ۳۲ ''نشتر'' کے آخری صفحات میں فارسی کتاب کے خاتمہ کی عبارت کے چند سطریں درج ہیں:

''ھر چہ رتبہ عشق بالاتر آں است کہ بہ قوت عقل وفہم و بیان پیرامسون سراپردہ جلالت اوتواں گشت یا بدیدۂ کشف و عیاں بہ جمال حقیقت آں نظرتواں کرد، چناں چہ حضرت مولانا روم قدس سرہ می فرمایند:

ھر چہ گویم عشق راشرح وبیاں　　　جوں بہ عشق آیم خجل باشم ازاں ۔۔۔

۔۔۔۔ایں مشت خاک راچہ یارا کہ کلمہ ازعشق ورزی تحریر نماید و یا حرفے ازمحبت نوردی تقریر کند، چنانکہ گفت؛

۔۔۔۔

ازاں جا کہ ایں سانحہ حیرت افزاازوفانمودن مطلوبے سراسر سفاومحبوبے سراپاوفا بود لہذا بہ قول قائلے؛

سرگزشت عہد گل را ازنظیری بشنوید　　　عندلیب آشفتہ سرمی گوید ایں افسانہ را

حرفے چند از بدوطفولیت لغایت سنہ یک ھزار و دوصد و پنج ھجری از خاطر پر درد بہ تحریر درآوردونظر بر عبارت مسجع و مقفی نہ کرد، موسوم شد بہ افسانہ رنگین۔ چنانکہ ایں قطعہ بہ تعمیمہ در تاریخ سال اختتام ایں حکایت پر درد بہ تحریر درآورد؛

قطعہ:

حسن چوں کرد ایں افسانہ راختم　　　زھاتف خواست سال آں زمانہ

بہ رسم تعمیمہ وے ازسر شکر　　　بگفتا شد عجب رنگیں فسانہ　۱۲۰۵ھ۔

اور بہت سے اشعار حمد اور حضرت علیؓ کی شان میں ہیں۔ (فاضل مترجم نے خاتمے کی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا اور مندرجہ ذیل نوٹ لکھا ہے۔

''خاکے کی عبارت اصل ہی لکھ دینا مناسب معلوم ہوا ترجمہ بے لطف ہو جاتا مترجم'' لیکن مرتب نے خاتمے کی اصل عبارت اور ترجمہ دونوں شامل کتاب کر دیا ہے [۳۳]۔

سید حسن شاہ ضبط کی دوسری تصنیف بھی ایک قصہ ہے جو کسی آنکھوں دیکھے واقعہ پر مبنی ہے۔ یہ قصہ فارسی زبان میں ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۰ء لکھا گیا۔ حقیقتؔ نے اپنے بڑے بھائی سید محمد حسن شاہ کے ارشاد کے مطابق اس کہانی کو ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ع میں سلیس ورنگین اردو میں منتقل کیا۔ مادہ تاریخ ''ہے یہ جذب عشق آہ'' سے ۱۲۱۲ھ برآمد ہوتا ہے۔

حقیقتؔ نے سبب تالیف کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ؛

> زمانے میں سلطنت شاہ عالم بادشاہ غازی کے۔۔۔سنہ بارہ سو چار ہجری نبوی میں درمیان سمیری کے جو مضافات پرگنہ بندرا بن سے متصل قصبہ جھاتا ہے، واقع ہوا، اور مفصلاً اخوی صاحب و قبلہ۔۔۔حقائق ومعارف آگاہ جناب محمد سید حسن شاہ نے اس قصے کی معشوقہ کو برسانہ پیرایہ الفاظ رنگین فارسی کے مجلس ظہور میں جلوہ افروز ناز کا کیا۔ ایک روز کمال سرفرازی اور مہر سے جو بزرگوں کو خوردوں کے حال پر ہمیشہ مبذول ہے، اس کمتریں عقیدت گزیں کو زبان معنی بیان سے فرمایا کہ چہرہ معشوقہ زیبا نگاہ اس مضمون عبرت مشحوں کو ساتھ حلیہ نور (و) زیور عبارت نثر زبان اردو کے تحفہ مجلس احباب کا کرے، سو بنا بر فرمان واجب الاذحان اور یمن انفاس متبرکہ اس جناب کے:

درِ فکر سے گوندے لڑیاں کئی

ساتھ عبارت سلیس و رنگین و دلچسپ کے ترتیب دے کر ساتھ جذب عشق کے موسوم کیا اور موافق خواہش قصے اور تقاضا عبارت کیا اشعار آپ اور اپنے استادوں کے درج کیے۔ (صبح نو، پٹنہ، ص ۹ ستمبر [۴] ۱۹۶۵ء)

گویا حقیقت نے حسب ارشاد اپنے بھائی کی لکھی ہوئی کہانی کو اردو زبان میں سلیس رنگین اور دل چسپ عبارت میں ترتیب دیا۔ اپنے اور اپنے اساتذہ کے اشعار، موقع و محل کی مناسبت سے درج کیے۔ اس طرح یہ ترجمہ ایک مستقل تالیف کی صورت اختیار کر گیا۔ سید حسن شاہ کی فارسی میں لکھی ہوئی کہانی اردو ترجمے کے بعد جذب عشق کے نام سے سامنے آئی۔ اس کا قصہ ایک سچی عشقیہ داستان پر مشتمل ہے۔ مختصر طور پر کہانی ایک مرہٹہ سپاہی جو بھوانی کے میلے میں ایک حسینہ پر عاشق ہو جاتا ہے۔ وہ حسینہ بھی التفات کا اظہار کرتی ہے، دونوں میں خفیہ ملاقاتیں ہوتی ہیں، راز فاش ہو جاتا ہے۔ مسلح یورش کے دوران سپاہی مقابلہ کرتے ہوئے تالاب میں گر کر مر جاتا ہے۔ بعد ازاں حسینہ بھی جدائی کی تاب نہ لاتے ہوئے تالاب میں گر کر جان دے دیتی ہے۔ دونوں کی لاشیں تالاب سے نکالنے کی کوشش میں وہ نظروں سے غائب ہو جاتی ہے۔

جذب عشق کی کہانی میں داستان طرازی نہیں بلکہ قصہ پن موجود ہے یہ کہانی مشرقی عشقیہ تصور کے مطابق ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں لکھے ہوئے اردو و فارسی کے منظوم و منثور قصوں میں جذبہ عشق کے امر ہونے کی شہادتیں ملتی ہیں۔ جذب عشق کا یہ جوہر کشید ہو کر تاریخ کا ایک فطری عمل بن جاتا ہے اور اس کہانی میں بھی یہ جوہر فنا نہیں ہوا، خارجی اثرات کے سبب قالب بدلتا رہا۔ عشق ان کے دونوں قصوں کے بدن میں لہو کی جگہ ہے جس کے بغیر ڈھانچہ تن بے جان رہ جائے گا۔

سید حسن شاہ ضبطؔ یہ فارسی قصے اردو زبان میں منتقل ہونے کی وجہ سے ان کے تخلیقی عمل تک ہماری رسائی ہوئی لیکن اصل فارسی کتب کے مطالعے کی حظ سے محروم رہے۔ نیز اصل فارسی کتب کے متعلق کہ اگر موجود ہیں تو یہ کہاں محفوظ ہیں اور کس حالت میں ہیں؟ اس سے متعلق حقائق نامعلوم ہیں۔ سید محمد حسن شاہ ضبط کی علمی و ادبی تخلیقات سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ موصوف کے بیانیہ کی صداقت شعاری، سادہ گوئی اور، شائستگی اس زمانے کے تعلیم یافتہ شرفا کی گفتگو کا نمونہ ہے، جو ان کی اعلیٰ تربیت کا عکس ہے اور یہ خوب صورت اسلوب ان کی دونوں تصنیفات میں جاری و ساری ہے۔

حواشی و حوالہ جات:

۱۔ حسن شاہ، سید محمد، ۱۹۶۳ء، نشتر (ناول)، مترجم: سجاد حسین انجم کسمنڈوی، مرتبہ عشرت رحمانی، طبع اول مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۶

۲۔ محسن، محسن علی، ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء، تذکرہ سراپا سخن، لکھنؤ، ص ۷

۳۔ حسن شاہ، سید محمد، ۱۹۶۳ء، نشتر، ص ۸،۷

۴۔ ایضاً، ص ۸

۵۔ ایضاً، ص ۸

۶۔ ایضاً، ص ۱۲

۷۔ ایضاً، ص ۱۲؛ بخشی سے مراد محاسب فوج، قدیم محاورہ فارسی کے اعتبار سے صحیح مگر عہدہ اور اس کی امارت پر قیاس نہیں ہو سکتا کہ محاسب تھا۔ خیال ہے کہ کمانڈنگ افسر کو بخشی لکھا ہے۔ کیوں کہ قدیم زمانے میں بخشی وزیر جنگ کو بھی کہتے تھے جیسا کہ سکندر نامہ وغیرہ میں لکھا ہے۔

۸۔ حسن شاہ، سید محمد، ص ۱۲

۹۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۵۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۱۲۔ سہ ماہی، صحیفہ، شمارہ، ۱۹۶۸ء، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۲۴

۱۳۔ معارف، شمارہ، اگست ۱۹۶۸ء، جلد ۱۰۳، ص ۱۳۵۔ ۱۳۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۴۰

۱۵۔ سہ ماہی، صحیفہ، شمارہ ۱۹۶۸ء، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۲۶

۱۶۔ سردار احمد، خان، ڈاکٹر، ۱۹۹۳ء، میر سوز، مشمولہ: مجلہ، تحقیق، ساتواں شمارہ، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو پاکستان، ص ۱۹۵۔ ۱۹۶

۱۷۔ معارف، شمارہ، اگست ۱۹۶۸ء، جلد ۱۰۳، ص ۱۴۵

۱۸۔ خواجہ، مشفق، فروری ۱۹۷۹ء، جائزہ مخطوطات (اردو)، جلد اول، کراچی، ص ۴۵۹

۱۹۔ سہ ماہی، صحیفہ، شمارہ ۱۹۶۸ء، ص ۲۸

۲۰۔ محسن، محسن علی، ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء، تذکرہ سراپا سخن، لکھنو، ص ۱۰۶

۲۱۔ ایضاً، ص ۶

۲۲۔ سہ ماہی، صحیفہ، شمارہ، ۱۹۶۸ء، لاہور، ص ۳۲۔ ۳۳

۲۳۔ عرشی، امتیاز علی، خان، اپریل ۱۹۶۷ء، محسن کا ترجمہ مخزن نکات، مشمولہ: سہ ماہی 'اردو'، کراچی، ص ۵۔ ۹

۲۴۔ محسن، محسن علی، ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء، تذکرہ سراپا سخن، طبع اول، لکھنو، ص ۱۷۱

۲۵۔ پرشاد، گوکل، ۱۹۷۵ء، تذکرہ ارمغان گوکل پرشاد، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۵۵

۲۶۔ قاسم، قدرت اللہ، میر، حکیم ابوالقاسم، ۱۹۷۳ء، تذکرہ مجموعہ نغز، ۲ جلدیں، مرتبہ محمود شیرانی، دہلی، ص ۳۶۴

۲۷۔ شیفتہ، مصطفیٰ خان، نواب، ۱۹۷۳ء، تذکرہ گلشن بے خار، مرتبہ، کلب علی خان، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۳۱۳

۲۸۔ آزردہ، صدرالدین، مفتی، ۱۹۷۴ء، تذکرہ آزردہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ص ۱۰۶

۲۹۔ حسن شاہ، سید محمد، ۱۹۶۳ء، نشتر (ناول)، طبع اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۵

۳۰۔ ایضاً، ص و

۳۱۔ ایضاً، ص ۶

۳۲۔ سہ ماہی، اردو، ۱۹۹۲ء، جلد ۶۸، شمارہ ۳۰، جولائی تا ستمبر، انجمن ترقی اردو، کراچی، ص ۸۴۔ ۹۰

۳۳۔ حسن شاہ، سید محمد، ۱۹۶۳ء، نشتر (ناول)، ص ۲۵۸۔ ۲۶۵

۳۴۔ معارف، شمارہ، اگست ۱۹۶۸ء، جلد ۱۰۳، ص ۱۳۶۔ ۱۳۷

فہرست اسناد محولہ

۱۔ انجم، شہناز، ڈاکٹر، اکتوبر ۱۹۸۵ء، ادبی نثر کا ارتقا، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۲۔ آزردہ، مفتی صدرالدین، ۱۹۷۴ء، تذکرہ آزردہ، انجمن ترقی اردو، کراچی

۳۔ پوری، فرمان فتح، ڈاکٹر، ۱۹۷۵ء، مرتبہ، تذکرہ ارمغان گوکل پرشاد، انجمن ترقی اردو، کراچی

۴۔ خواجہ، مشفق، ۱۹۷۹ء، جائزہ مخطوطات، اردو، جلد اول، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ، کراچی

۵۔ سہ ماہی، اردو ادب، ۱۹۹۲ء، جلد ۶۸، شمارہ ۳، انجمن ترقی اردو، کراچی

۶۔ سہ ماہی، صحیفہ، شمارہ، ۱۹۶۸ء، مجلس ترقی ادب، لاہور

۷۔ سلطانہ، رفیعہ، ڈاکٹر، ۱۹۷۸ء، اردو نثر کا آغاز وارتقا، کریم سنز پبلی شر، کراچی

۸۔ شاہ، سید محمد حسن، ۱۹۶۳ء، نشتر، مترجم: سجاد حسین انجم کسمنڈوی، مرتب: عشرت رحمانی، طبع اول، مجلس ترقی ادب، لاہور

۹۔ شیفتہ، نواب مصطفی خان، ۱۹۷۳ء، تذکرہ گلشن بے خار، مرتبہ: کلب علی خان، مجلس ترقی ادب، لاہور

۱۰۔ قادری، حامد حسن، ۱۹۶۶ء، داستان تاریخ اردو، تیسرا ایڈیشن، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

۱۱۔ قدرت، حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ ۱۹۷۳ء، تذکرہ مجموعہ نغز، مرتبہ: محمود شیرانی، نیشنل اکیڈمی، دہلی

۱۲۔ معارف، شمارہ، ۱۹۶۸ء، جلد ۱۰۱، ۳۰۱، اعظم گڑھ

۱۳۔ محسن، محسن علی، ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء، تذکرہ سراپا سخن، نول کشور، لکھنو

۱۴۔ مسعود، نیر، ڈاکٹر، ۱۹۶۷ء، رجب علی بیگ سرور، حیات اور کارنامے، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

۱۵۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر، ۲۰۰۳ء، ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، سنگ میل پبلیشر، لاہور

Abstract

The article contains the brief biography and prose and poetical works of Syed Hasan Shah Zabt. Zabt was a lineal descendent of Syed Abdullah widely known as Mazloom. Zabt's novel Nishtar (1790) was one of the early works of the genre in Urdu language. One of the Persian poetical works by Zabt was rendered into Urdu by his brother Mir Husain Shah Haqiqat, titled, Gazb-e Ishq. Haqiqat's son Mohsin Ali Mohsin was also known for his Tazkira Sarapa-e Sukhan and Shuara-e Urdu. Sarapa-e Sukhan was one of the different works of Tazkira containing short biographies of 733 poets. The rare work contains poetry on parts of human body. Many Tazkira writers of Urdu and Persian have written Zabt's brief life account in their works including his couplets. Zabts' interest in poetry brought him into contact with Shaikh Qalandar Buksh Jur'at a Ustad poet of Urdu classical period. Later on Jur'at accepted him as his disciple.

Keyword: Nishtar, Gazb-e Ishq, Sarapa-e Sukhan, Shuara-e Urdu